اُردو تحقیق (مفہوم، دائرہ کار اور روایت)

Urdu Research (Meaning, Scope and Tradition)

DOI: https://doi.org/10.54692/nooretahqeeq.2023.07042081

کاشفہ بیگم
Kashifa Begum
Ph.D Scholar, Department of Urdu,
Govt. College University, Faisalabad.

ڈاکٹر میمونہ سبحانی
Dr. Mamuna Subhani
Associate Professor, Department of Urdu,
Govt. College University, Faisalabad.

Abstract:

Urdu language is endowed with the splendid tradition of research and compilation. Inquisitiveness and research are ingrained in human nature. A person tries to explore the phenomena he encounters. Research equips a person an ability to discuss between genuine and fake. It is an ancient craft. The Greeks were the first to introduce this skill systematically. In Urdu research, attempts were made to add to the known facts to take it to the next level. In this article meaning, definition, importance and usefulness of research and its progressive evolution have been discussed with special reference to Urdu language.

Keywords:

Research, Urdu Research, Urdu Language, Urdu Literature, Tradition of Research, Scope of Research.

تحقیق سے مراد نہ صرف نئے حقائق کی تلاش بلکہ پہلے سے معلوم شدہ حقائق میں نیا اضافہ بھی ہے۔ اردو تحقیق کے مطالعہ سے ثابت ہوتا ہے کہ یہ مفروضہ درست ہے۔ اس کے مطابق تحقیق عربی زبان کا لفظ ہے۔ اس کا مادہ ”ح ق ق“ ہے۔ عربی لغت میں باب ”تفعیل“ پر وضع شدہ لفظ تحقیق کا مطلب ہے ”حق یا سچائی ثابت کرنا۔“

لغات میں اس کے معنی تلاش، تفتیش، کھوج، دریافت، پرکھ، چھان بین وغیرہ کے ہیں۔ اس بارے میں پرویز

لکھتے ہیں:

> ”حق کے معنی ہیں کسی چیز کا اس طرح موجود، واقعے اور ثابت ہو جانا کہ اس کے واقع ہونے یا ثابت ہونے سے انکار نہ کیا جا سکے۔ یعنی کسی چیز کا ٹھوس شکل میں سامنے آ جانا یا ثابت ہو جانا۔“(۱)

اس سے یہ بات ثابت ہوتی ہے کہ حق ایک معروضی شے ہے اور اس کے موجود ہونے پر اختلاف نہیں کیا جا سکتا۔ تحقیق کا مفہوم تلاشِ حقیقت ہے۔ انگریزی میں یہ لفظ Research کا مترادف سمجھا جاتا ہے۔ حق ٹھوس اور ناقابل انکار حقیقت کا نام ہے۔ مگر اس کی تلاش میں بہت پیچیدہ راہوں پر گامزن ہونا پڑتا ہے۔ اس بارے میں قاضی عبدالودود اپنے مضمون میں لکھتے ہیں:

> ”تحقیق کسی امر کو اس کی اصل شکل میں دیکھنے کی کوشش ہے۔ کوشش کا لفظ ارادتاً مستعمل ہوا ہے۔ وجہ یہ ہے کہ دیکھنا اور دیکھنے کی کوشش ایک نہیں۔ کوشش کامیاب بھی ہوتی ہے اور ناکام بھی۔ ناکامی کبھی جزوی بھی ہوتی ہے کبھی کلی۔ ایک امریکی مصنف نے سڑیل کی طرف یہ قول منسوب کیا ہے کہ خارجی حقیقت کا وجود نہیں۔ مجھے اس سے انکار ہے۔ حقیقت موجود ہے۔ یہ دوسری بات ہے کہ ہمارے پاس اس کے دریافت کرنے کے نامکمل ذرائع ہوں۔“(۲)

تحقیق خارجی صداقت کی تلاش کا نام ہے۔ جو ٹھوس مستقل اور ناقابلِ انکار ہو۔ مگر اس کی تلاش کے ذرائع کئی قسم کے ہیں۔ تحقیق اس عمل کا نام ہے جس کے ذریعے سے مسائل کے قابلِ اعتبار حل تک پہنچا جاتا ہے اور اس میں منصوبہ بندی اور باضابطہ طریقے سے معلومات کو جمع کیا جاتا ہے۔ ان کا تجزیہ کیا جاتا ہے اور پھر ان کی توجیہ و تعبیر کی جاتی ہے۔ تحقیق کے ذریعے سے علم کو دریافت کیا جاتا ہے۔ اس لیے تحقیق کا مقصد واقعات کو جمع کرنا نہیں بلکہ مقدمات کے ذریعے نتائج تک پہنچنا ہے۔ تحقیق کے سلسلہ میں ہمیں روایت اور درایت دونوں قسم کے اصولوں سے مدد لینا پڑتی ہے۔ انھیں ہم خارجی تنقید اور داخلی تنقید سے تعبیر کرتے ہیں۔ یہ اصول عقلی ہیں جو کہ دیگر عقلی اصولوں کی طرح قابلِ اصلاح ہیں۔ اس بارے میں ڈاکٹر سہیل احمد خاں اپنی تحریر میں لکھتے ہیں:

> ”ہمارے تحقیقی طریقوں سے عموماً تجرباتی اور تحلیلی اندازِ نظر مقبول ہے اور یہ طریقہ افادیت بھی رکھتا ہے، لیکن یہ سوال اہم نہیں کہ تجربہ اور تحلیل کن اصولوں کے تحت آئیں۔ جس سائنسی انداز کو حتمی سمجھا جاتا ہے، خود سائنس کی دنیا میں اب اس کا کیا بھاؤ ہے؟ نیز تجزیہ اور تحلیل کسی نئی ترکیب کی طرف بھی رہنمائی کرتے ہیں یا نہیں؟۔“(۳)

تحقیق ایک باضابطہ تعقلی اور تجربی طریقہ ہے جس سے مسائل کا حل تلاش کیا جاتا ہے۔ اس سے یوں مراد بھی لے سکتے ہیں کہ کسی حقیقت کی تلاش کے لیے منضبط جستجو یا طریقِ کار کا نام تحقیق ہے۔ تکنیکی طور پر معلومات کی کھلے دل و دماغ کے ساتھ یعنی غیر جانبداری سے آشنائی اور حقائق معلوم کرنے کے باقاعدہ طریقِ کار کو تحقیق کہتے ہیں۔ اصولِ تحقیق کی تبدیلی، نئے ماخذ کی دریافت، قدیم ماخذ کی حیثیت کی تبدیلی، مستند کا غیر مستند یا مشکوک ہونا یا مشکوک کا مستند ہونا ان تمام باتوں سے نہ صرف معلومات میں تبدیلی آ رہی ہے بلکہ نتائج بھی بدل رہے ہیں:

> ''تحقیق نئے حقائق کو روشنی میں لانے کا نام ہے جیسے گوہر نوشاہی نے نوشہ گنج بخش کی گنج الاسرار کا سراغ لگا کر اردو کے ایک گم شدہ مصنف کا سراغ لگایا ہے یا مولوی عبدالحق اور ڈاکٹر جمیل جالبی نے بعض دکنی مصنفین کی تصانیف کا سراغ لگایا ہے۔ تحقیق معلوم شدہ حقائق میں اضافہ ہے جیسے کہ یہ بات معلوم شدہ حقیقت تھی کہ حسن شوقی شاعر تھے۔ سخاوت مرزا نے ان کی تین غزلیات بھی دریافت کی تھیں۔''(۴)

تحقیق ایک مسلسل عمل ہے۔ ذرائع معلومات میں اضافہ ہوتا رہتا ہے اس لیے نئے واقعات کا علم ہوتا رہے گا۔ اس بات کا اندازہ نہیں کہ حقیقت کتنے پردوں میں چھپی ہوئی ہے۔ اکثر صورتوں میں بتدریج پردے اٹھتے رہتے ہیں۔ تحقیق میں اصلیت کا تعین اس وقت تک حاصل شدہ معلومات پر ہوتا ہے اس کے ساتھ ساتھ نئی معلومات کی نفی نہیں ہو سکتی لیکن اس کا یہ مطلب ہرگز نہیں کہ موجودہ معلومات کو واقعہ قرار دیا جائے کیونکہ نئی معلومات کی دریافت تک موجودہ حقائق کو تسلیم کیا جاتا ہے اور قبول بھی کیا جاتا ہے۔ دریافت کا عمل اسی طرح جاری رہے گا اور رد و قبول بھی ساتھ ساتھ قائم رہیں گے۔ اسی لیے ڈاکٹر رشید حسن خاں لکھتے ہیں:

> ''تحقیق سے مراد صرف نئے حقائق کی تلاش نہیں بلکہ معلوم شدہ حقائق میں اضافہ بھی ہے۔''(۵)

اردو تحقیق کی ایسی مثال ہے جن میں معلوم شدہ حقائق پر اضافہ کرنے کی کوشش کی گئی۔ ڈاکٹر محمد صادق نے محمد حسین آزاد کو اپنی تحقیق کا موضوع بنایا۔ ان پر مقالہ لکھ کر پی ایچ۔ڈی کی ڈگری حاصل کی پھر اس مقالے کو اردو میں ڈھالا اور اسے محمد حسین آزاد احوال و آثار کے نام سے شائع کیا۔ اس کے بعد انھوں نے آزاد پر تحقیق کا کام جاری رکھا اور آزاد پر مختلف حوالوں سے تحقیقی مقالات قلم بند کیے جنھیں ''آبِ حیات'' کی حمایت میں اور دوسرے مضامین کے نام سے اکٹھا کیا اور شائع کرایا۔ اس مجموعے کا پہلا مضمون ''آبِ حیات کی حمایت میں'' ہے۔ آزاد پر اکثر یہ الزام لگایا جاتا ہے کہ ان کی کتاب ''آبِ حیات'' تاریخی اعتبار سے ساقط الاعتبار ہے۔ ڈاکٹر محمد صادق نے یہ مفروضہ پیش کیا ہے:

> ''آبِ حیات کے ماخذ تین ہیں:

۱۔ وہ اطلاعات جو انھیں شعرا کے عزیز و اقارب سے براہِ راست زبانی ملیں۔
۲۔ وہ اطلاعات جو انھوں نے بذریعہ خط و کتابت حاصل کیں۔ اور
۳۔ وہ اطلاعات جو انھیں پرانے تذکروں سے دستیاب ہوئیں۔"(۶)

اپنے مضمون میں ڈاکٹر محمد صادق نے مفروضے کے دوسرے اور تیسرے حصے کو ثابت کرنے کی کوشش کی ہے۔ انھوں نے اپنی تائید میں میر قدرت اللہ قاسم کے "مجموعہ نغز" اور شیرانی کے نتائج سے بھی سند پیش کی ہے۔ اس کے علاوہ انھوں نے پانچ خطوں کے متون بھی پیش کیے ہیں۔ جو مختلف لوگوں نے آزاد کو لکھے اور آخر میں نئے حقائق کی دریافت کی توقع کرتے ہوئے لکھا ہے:

"وہ زمانہ دور نہیں جب آبِ حیات کی مخالفت حقائق سے بدظنی کے مترادف خیال کی جائے گی۔"(۷)

تحقیق سچائی کی تلاش تو ہے لیکن ایک معروضی عمل کے ذریعے سے اور معروضی صداقت صرف وہی سچائی نہیں ہوتی جو کوئی ایک شخص موضوعی طور پر جانتا ہو بلکہ ضروری ہے کہ دوسرے بھی اسی کی طرح اس کو کیفیت کو معروضی طور پر ہی جان سکیں۔ زبان وادب کے شعبے میں تحقیق کھرے اور کھوٹے کی چھان بین یا تصدیق کرنے کو کہا گیا ہے لیکن سائنسی میدان ہو یا ادب یہ تلاش اور سچائی جب تک ایک باضابطہ طریقہ کار یا رسمیات کی پابند نہ ہو، تحقیق نہیں کہلا سکتی۔ یہ پابندی منطقی اور معروضی ہوتی ہے۔ علمیاتی سطح پر تحقیق کا نظریہ ہوتا ہے جس کی حدود کے اندر سارا تحقیقی عمل انجام پاتا ہے۔ ڈاکٹر ایم سلطانہ بخش رقم طراز ہیں:

"اس تاریخ کا امتیاز یہ ہے کہ اس میں متقدمین، متوسطین اور متاخرین کی اس تقسیم سے جو ادب کی تاریخ میں بالعموم روا رکھی گئی ہے۔ انحراف کرتے ہوئے ادوار کی زمانی تقسیم کے ساتھ روایت کی تشکیل و تعمیر اور ردِ عمل و تبدیلی کو بنیادی طور پر سامنے رکھا گیا ہے۔ اس کا دوسرا امتیاز یہ ہے کہ اس میں ہر دور کے اصل ادبی و غیر ادبی مآخذ تک پہنچنے کی کوشش کی گئی ہے اور تقریباً ہر بات کو سند اور دلائل سے پیش کیا گیا ہے۔"(۸)

تحقیق ایک عالمانہ تفتیش ہے جو کوئی معاشرہ نئے علم کی تخلیق کے لیے انجام دیتا ہے۔ ادبی تحقیق تخلیق کار کی دنیا اور تجربات کو محسوس کرنے کے لیے پیدا ہونے والے سوالوں کا جواب تلاش کرتی ہے۔ ڈاکٹر عطش درانی تحقیق کے تقاضوں کے بارے میں رقم طراز ہیں:

"۱۔ تحقیق کے جدید تقاضے یہ ہیں کہ متعلقہ میدان میں نئی معلومات کا اضافہ ہو اور وہ سابقہ معلومات کے ساتھ منطقی طور پر مربوط ہو سکیں۔

۲۔ یہ ارتباط رسمی اور باضابطہ طریق پر ہو جس کی باقاعدہ تصدیق اور توثیق ہو سکے اور
۳۔ جس سے تحقیق کے نئے موضوعات پیدا ہوں۔"(۹)

تحقیق کا عمل ایسا ہے جس پر محقق کو مختلف زاویوں سے حقیقت کی جستجو کرنا پڑتی ہے اور وہ مختلف راستے استعمال کر کے سچائی کی منزل تک پہنچنے کی کوشش کرتا ہے۔ انھی راستوں اور زاویوں نے تحقیق کو مختلف اقسام میں تقسیم کر دیا ہے جن میں سے چند ایک اقسام نمایاں ہیں۔ ان اقسام میں بیانیہ، تجرباتی اور تاریخی زیادہ نمایاں ہیں۔

بیانیہ تحقیق

یہ کسی موجودہ صورتِ حال کے بارے میں حقائق اور اعداد و شمار حاصل کرنے کا ایک طریقہ ہے مثلاً "مردم شماری" کسی ملک میں کتنے لوگ رہتے ہیں اور اس کے مختلف حصوں میں کس طرح پھیلے ہوئے ہیں۔ ڈاکٹر ایم سلطانہ بخش کی رائے ہے:

> "اس طریقہ کار میں حقائق اور واقعات کو بعینہٖ اس طرح واضح طور پر بیان کیا جاتا ہے جس طرح کہ وہ اپنی اصلی حالت میں رونما ہوئے ہیں۔ اس قسم کی تحقیق سے حاصل شدہ Data نئے اور اچھوتے پروگراموں کی نشان دہی کے لیے مفید اور کارآمد ہوتے ہیں۔ اس تحقیق میں حقائق جمع کرنے کے لیے متعلقہ اعداد و شمار کی زبان استعمال کی جاتی ہے اور نتائج اخذ کرنے کے لیے جدول کی تیاری ضروری ہوتی ہے تاکہ نتائج کی روشنی میں مفروضی کو رد یا قبول کیا جائے۔"(۱۰)

بیانیہ تحقیق مشاہدے اور مشاہدے سے حاصل ہونے والی معلومات کا وہ باضابطہ مجموعہ ہے جس کے ساتھ مشاہدے کا تجزیہ اور اس سے حاصل ہونے والے اصول بھی شامل ہیں۔ مگر اس کا دائرہ کار وہاں رک جائے گا جہاں متغیرات کا ایک دوسرے پر اثر انداز ہونے کا پیچیدہ عمل شروع ہو جائے۔ سروے، انٹرویو یا خطوط سے معلومات حاصل کر کے محفوظ کرنے کو بیانیہ تحقیق میں شمار کیا جائے گا۔

تجرباتی تحقیق

ڈاکٹر ایم سلطانہ بخش اس بارے میں یوں رقم طراز ہیں:

> "تجرباتی تحقیق میں عام طور پر ایک متغیر عنصر کے دوسرے متغیر عنصر پر اثرات کا مطالعہ کیا جاتا ہے۔ تاریخی اور بیانیہ تحقیق میں محققین مختلف متغیروں کی موجودگی و غیر موجودگی کا کھوج لگاتے ہیں جب کہ تجرباتی تحقیقات میں متغیروں پر قابو حاصل کر کے ان کی وقوع پذیری و عدم وقوع کی وجوہ اور دوسروں کے اثرات کا مختلف حالات میں مطالعہ

کیا جاتا ہے۔ ہر تجربے میں دو قسم کے متغیرات سے واسطہ رہتا ہے۔یعنی آزاد متغیرات اور تابع متغیرات۔"(۱۱)

دنیا میں ہر شے variable ہے اور دوسری پر اثر انداز ہو رہی ہے۔ ان کا مشاہدہ اور اس کا بیان بیانیہ تحقیق ہے۔ مگر ان کا ایک دوسرے پر اثرات کا جائزہ تجربی تحقیق ہے۔ زیادہ فعال آزاد متغیر اور کم فعال تابع متغیر کہلاتا ہے۔ کسی خطے کا کلچر ساکن شے نہیں ہے۔ ایسے ہی وہاں کا ادب بھی متغیر ہے۔ یہ ایک دوسرے پر اثر انداز ہوتے ہیں مگر کلچر زیادہ فعال ہے۔ اس لیے اسے آزاد متغیر اور ادب کو تابع متغیر کہا جائے گا۔

تاریخی تحقیق

لغت میں تاریخ کے معنی ہیں وقت کی نشان دہی۔ اصطلاح میں اس سے مراد یہ ہے کہ کسی خاص وقت کے احوال کا بیان کرنا، تاریخ کا موضوع وقت اور انسان ہیں۔ تحقیق کا مفہوم حق کی پہچان جہاں تاریخ اور تحقیق کے دائرے مل کر ایک ہو جائیں اسے تاریخی تحقیق کہتے ہیں۔ اس میں تاریخی تناظر کو بنیادی اہمیت حاصل ہے۔ کوئی شخص، دستاویز، تحریر جب تاریخی تناظر کا حصہ بن کر سامنے آئے تو اس قسم کی تحقیق کو تاریخی تحقیق کہا جائے گا۔ یہ تحقیق دو قسم کے ماخذات پر مبنی ہے۔

ابتدائی ماخذ

دستاویزات، مخطوطات یا اصلی شواہد جو واقعہ سے متعلق دستیاب ہیں۔

ثانوی ماخذ

سرکاری اطلاعات، ذاتی بیانات، قصے کہانیاں، تصویری مجموعے یا مطبوعات وغیرہ۔

ان دستاویزات کو جانچنے کے لیے اور ان سے استفادہ کرنے کے لیے مختلف اصول متعین ہیں۔ ان اصولوں کو خارجی تنقید اور داخلی تنقید کے نام سے موسوم کیا جاتا ہے۔ اردو ادب میں تاریخی تحقیق کی فہرست مقداری لحاظ سے بہت لمبی ہے۔ خواجہ محمد زکریا نے "اکبر الہ آبادی" مقالہ لکھا۔ اس میں انھوں نے تحقیق کی چھے اقسام کو لیا ہے۔ اس کے مطالعہ سے معلوم ہوتا ہے کہ انھوں نے تحقیق کے دوران ماخذ سے کس طرح استفادہ کیا اور اکبر کی شخصیت کو اس کے تاریخی تناظر سے کیسے منسلک کیا۔ اسی طرح اکبر اپنے دور کی فکری، سماجی اور سیاسی تاریخ کا ایک حصہ بن کر سامنے آئے ہیں۔ ڈاکٹر خواجہ محمد زکریا نے موجود مواد کو سامنے رکھ کر نتائج اخذ کیے ہیں اور ان کی زندگی کے بارے میں گم شدہ کڑیاں تلاش کی ہیں۔ امجد علی شاکر لکھتے ہیں:

"ماخذ میں اکبر کے بارے میں بنیادی اور ثانوی مآخذ کو اس انداز میں مرتب کیا گیا ہے کہ یہ اکبر کے بارے میں مزید تحقیق کے سلسلے میں مددگار ثابت ہو سکتا ہے۔ اس طرح ڈاکٹر

خواجہ محمد زکریا نے ''اکبر الہ آبادی''میں تاریخی تحقیق کا عمدہ نمونہ پیش کیا ہے۔''(۱۲)
کتابیات میں بھی خاصی محنت نظر آتی ہے۔ اس میں بیشتر ماخذ موجود ہیں جن پر مزید تحقیق کی بنا استوار کی جا سکتی ہے۔ ڈاکٹر خواجہ نے مولانا کے متعلق منفی آرا کے حامل ماخذ کا ذکر نہیں کیا جیسا کہ عاشق بٹالوی کی روایات اور دیگر مخالفانہ مضامین وروایات کی تائید یا تردید کرنا ضروری تھا۔

اردو میں تحقیق کی روایت

اردو ایک قدیم زبان ہے۔ یہ براعظم پاک وہند کی بہت سی زبانوں سے قدیم تر ہے۔ اس لیے اس کا ذخیرہ ادب بہت وسیع بھی ہے اور قدیم بھی۔ اس کی قدامت کے بارے میں پروفیسر انصار اللہ لکھتے ہیں:

''تاریخی شواہد کی روشنی میں یہ تسلیم شدہ حقیقت ہے کہ شعر وشاعری کی زبان کی حیثیت سے اب اردو کی عمر ایک ہزار برس ہو چکی ہے۔''(۱۳)

اردو شاعری کا سر آغا مسعود سعد سلمان کو مانا جائے تو تحقیق کا نقطہ آغاز امیر خسرو کا دیباچہ غرۃ الکمال قرار پائے گا۔ اس کے بعد تاریخ اور تذکروں میں مختلف شاعروں کا ذکر ملتا ہے مگر ان سے صرفِ نظر کیا جاتا ہے کہ ان لوگوں کی شاعری تمام اردو والوں کے نزدیک اردو نہیں بلکہ ہندی ہے۔ اردو تحقیق کی دوسری منزل شعرا کے تذکرے میں فارسی تذکروں کی روایت بہت قدیم ہے۔ بعض تذکرے بھی ہیں جن میں اردو شعرا کا ذکر ملتا ہے۔ اردو شاعروں کے تذکرے لکھنے کی ابتدا دکن میں ہوئی۔ پہلا تذکرہ خواجہ خان حمید کا ''گلشنِ گفتار'' ہے۔ ''گلشنِ گفتار'' کے ساتھ فتح علی خاں ''گلشنِ راز'' اسی سال کی تصنیف ہی ٹھہرایا گیا ہے۔ اس کا سال تصنیف ۱۱۶۵ء یا اس سے قبل کا ہے۔ عنایت اللہ خاں فتوت کا ریاض حسنی ۱۱۶۶ء میں لکھا گیا ہے۔ بعض اور تذکرہ نگاروں نے بھی اولیت کا دعویٰ کیا ہے۔ ان میں خدائے سخن میر بھی ہیں اور قائم چاندپوری بھی۔ میر تقی میر نے تذکرہ ''نکات الشعرا'' لکھا اور قائم چاندپوری کا ''مخزن نکات'' ہیں۔ ''نکات الشعرا'' کے مختلف قلمی نسخے دریافت ہوئے ہیں۔ تذکروں نے تحقیق کے سلسلے میں بنیادی مواد فراہم کیا۔ یہ تذکرے نہ تو تاریخی اصول پر پورے اترتے ہیں اور نہ ہی ان میں روایات کی چھان پھٹک کی گئی ہے۔ بعض تذکرہ نگاروں نے سنین کا التزام کیا ہے نہ اس کی پروا کی ہے۔ مثلاً میر تقی میر کے تذکرہ ''نکات الشعرا'' میں سنین کا کوئی التزام نہیں ملتا۔ اس کے باوجود یہ تذکرے اردو شاعری کی تحقیق کا سر آغاز قرار پاتے ہیں کہ ہمارے لیے تاریخ ادب کا ماخذ یہی تذکرے ہیں۔

تذکروں کا یہ سلسلہ جاری رہا۔ محمد حسین آزاد کی ''آبِ حیات'' سامنے آئی جسے تذکروں اور تاریخ کی درمیانی کڑی کہا جا سکتا ہے۔ ویسے تو تذکروں کی روایت بیسویں صدی میں بھی موجود نظر آتی ہے۔ مالک رام کا تذکرہ معاصرین اسی سلسلے کی ایک کڑی ہے جس میں تحقیق کا جدید انداز بھی موجود ہے۔ گارسیں دتاسی نے اردو ہندی شعرا اور ادیبوں کا تذکرہ لکھا تو انھوں نے تذکروں سے ہی استفادہ کیا۔ انھوں نے معاصرین کے بارے میں جدید ذرائع کے ساتھ قدما اور

گزرے لوگوں کے بارے میں تذکروں پر ہی انحصار کیا۔ انھوں نے سوا تین ہزار کے قریب مصنفین کے احوال و آثار بیان کیے ہیں۔ اردو شاعری کے تذکروں کی تحقیقی حیثیت کو ہمارے عہد کے محققین نے تسلیم کیا ہے۔ تذکروں کی تدوین کے سلسلہ میں مولوی عبدالحق کو تقدم اور تفوق حاصل ہے۔ مرزا علی لطف کے ''گلشنِ ہند'' پر علامہ شبلی نعمانی کا مقدمہ اس سلسلے کی پہلی کڑی ہے۔ مولوی عبدالحق نے بہت سے تذکرے ترتیب و تدوین کے ساتھ شائع کیے۔ ان میں میر تقی میر کا ''نکات الشعرا'' بہت اہم ہے۔ ان کے بعد حافظ محمود شیرانی کا مرتبہ ''مجموعہ نغز'' بہت اہم ہے:

> ''حافظ محمود شیرانی کی تحقیق کے مطابق ''آبِ حیات'' میں بھی اس تذکرے سے استفادہ کیا گیا۔ راقم الحروف کی تحقیق کے مطابق کریم الدین احمد نے اپنے تذکرے ''طبقات الشعرائے ہند'' میں بعض مقامات پر ''مجموعہ نغز'' کی عبارت کا ترجمہ پیش کر دیا ہے۔ گویا انھوں نے استفادے کی بجائے نقل مطابق اصل سے کام لیا ہے۔''(۱۴)

اردو تحقیق سائنسی انداز میں سر سید احمد خان اور ان کے رفقا کے ہاں نظر آتی ہے۔ سر سید احمد خان نے ادب، تاریخ، سیرت اور مختلف موضوعات پر تحقیقی کام کیا اور اپنی تحریروں خصوصاً سیرت کی کتاب ''خطبات احمدیہ'' میں مستشرقین کے اصول تحقیق پر روایات کی چھان بین کی ہے۔ سر سید احمد خاں اردو میں سائنسی اور تاریخی تحقیق کے بانی قرار پاتے ہیں۔ مولانا الطاف حسین حالی نے ''حیاتِ جاوید'' میں تحقیق کا اعلیٰ معیار قائم کیا ہے۔ مولانا شبلی نعمانی نے مرزا علی لطف کے ''تذکرہ گلشنِ ہند'' کے مقدمے سے اردو کی ادبی تحقیق کا آغاز کیا۔ محمد حسین آزاد کو سماجی مورخ قرار دیا جاتا ہے۔ محمد حسین آزاد نے لاہور میں لسانی شعور عام کیا تھا۔ مولوی محمد شفیع فارسی شاعری کے محقق تھے۔ حافظ محمود شیرانی نے لسانیات، ادب، تاریخ اور مسکوکات کے بارے میں تحقیقی کام کیا۔ حافظ محمود شیرانی کے بعد ڈاکٹر سید عبداللہ نے ''نوادر الالفاظ'' کی تدوین سے اپنا نام تدوین کاروں کی فہرست میں لکھوا لیا۔ فارسی ادبیات میں ہندوؤں کا حصہ، ان کا تحقیقی کارنامہ ہے۔ تحقیق کے میدان میں ڈاکٹر وحید قریشی کا نام خاصا بلند ہے۔ وہ بڑے مخطوطہ شناس اور محقق تھے ان کے تحقیقی مضامین تعداد میں کم ہونے کے باوجود معیاری ہیں۔

ڈاکٹر عبادت بریلوی نے متون تو بہت دریافت کیے مگر تدوین متن کا اعلیٰ معیار قائم نہ رکھ سکے۔ اختر شیرانی کا مضمون ''ایک صدی پہلے کا ایک ہندوستانی سیاح انگلستان میں'' تحقیق کا عمدہ نمونہ ہے۔ اختر شیرانی نے اس مضمون میں حافظ محمود شیرانی کے بتائے ہوئے اس اصول پر خوب صورتی سے عمل کیا ہے:

> ''اصول یہ بتایا کہ کسی کتاب کے بارے میں سب سے زیادہ رہنمائی کتاب کے اندر سے ملتی ہے کیونکہ یہ کتاب خود اپنی شہادت ہے۔ کتاب کی تنقید کے اصول کتاب کے اندر موجود ہوتے ہیں۔ شیرانی نے اس اصول پر عمل کر کے مصنفوں کو ایک راستہ دکھایا۔''(۱۵)

اختر شیرانی کے مضامین جو ''نگارشات اختر'' کے نام سے یونس حسنی نے مرتب کیے ہیں۔ یہ اصول ڈاکٹر وحید قریشی اور ان کے شاگردوں کے ہاں بھی ملتا ہے۔ ان کے شاگردوں میں گوہر نوشاہی ایسے شخص ہیں جنھوں نے سنجیدگی سے تحقیق پر کام کیا ہے۔ مولوی عبدالحق سرسید اور حالی سے بہت متاثر تھے۔ انھوں نے انجمن ترقی اردو اورنگ آباد کے ذریعے دکنی ادب اور قدیم اردو پر تحقیقی کام شروع کیا۔ بہت سے قدیم متون کو دریافت کر کے شائع کیا۔ مولوی عبدالحق تحقیق و تدوین کے ساتھ ساتھ لغات کا عمدہ شعور رکھتے تھے۔ لغت کبیر پر ان کا مقدمہ ان کے گہرے شعور کا پتہ دیتا ہے۔ ان کا کام بہت زیادہ ہے اس لیے مقدار نے معیار کو یقیناً متاثر کیا ہے۔ مشفق خواجہ نے ان سے تحقیق کا کام سیکھا۔ ان کی کتاب ''جائزہ مخطوطاتِ اردو'' ہے۔ اس کے علاوہ تحقیقی کام کے سلسلہ میں ''خوش معرکہ زیبا'' اور ''کلیاتِ یگانہ'' میں دیکھا جا سکتا ہے۔ انھوں نے بہت سے شاعروں کو موضوعِ تحقیق بنایا۔ ان کے مضامین بقول ان کے اتنے زیادہ ہیں:

> ''تمام مضامین کئی جلدوں میں سمائیں گے جن کی اشاعت کافی الحال انتظام نہیں ہو سکتا۔''(۱۶)

ڈاکٹر جمیل جالبی کا تعلق بھی کراچی سے ہے۔ انھوں نے تحقیق میں اپنے کام کا سکہ بٹھا دیا۔ ان کی مرتبہ ''تاریخِ ادب اردو'' کی چار جلدیں سامنے آ چکی ہیں۔ تحقیقی حوالے سے ان کی اہمیت مسلم ہے۔ انھوں نے ''مثنوی کدم راؤ پدم راؤ'' کا متن مدون کیا ہے اور ادبی تحقیق کے حوالے سے بہت اہم کام کیے ہیں۔ مثنوی کے متن کی تدوین پر تبصرہ کرتے ہوئے ڈاکٹر وحید قریشی لکھتے ہیں:

> ''کتاب کا بنیادی حصہ مثنوی کے متن پر مشتمل ہے جس میں اس روایت کی پابندی کی گئی ہے جس کے سرخیل حافظ محمود شیرانی اور آخری اہم رکن ڈاکٹر غلام مصطفیٰ خان ہیں۔ گویا مرتب نے متن کی اس تکنیک کو اختیار نہیں کیا جو دکنیات کے لیے ڈاکٹر زور نے اور ان کے ساتھیوں نے اختیار کی تھی اور جس میں صرف سیاق عبارت تک اپنے آپ کو محدود رکھا جاتا ہے۔''(۱۷)

جمیل جالبی نے قدیم ادب خصوصاً دکنی ادب کو دریافت کرنے کے سلسلے میں بہت اہم کردار ادا کیا ہے۔ پہلی جنگِ عظیم کے بعد تحقیق کی جو روایت ابھری اس میں عبدالستار صدیقی کا نام نمایاں ہے۔ آپ لسانیات کے ماہر تھے۔ ان کے ڈاکٹریٹ کے مقالے کا عنوان تھا Studies in Persian Loanwords in Classical Arabic انھوں نے اپنے موضوع پر بہت عمدہ کام کیا۔ ان کے بارے میں ڈاکٹر تحسین فراقی لکھتے ہیں:

> ''تاریخی اور تقابلی لسانیات سے صدیقی صاحب کی اطمینان بخش بلکہ حیران کن آگاہی کے شواہد مقالات صدیقی اور دیگر تحریروں میں قدم قدم پر نظر آتے ہیں۔ دخیل الفاظ کے

موضوع سے انھیں خصوصی دل چسپی تھی۔"(۱۸)

مولانا امتیاز علی خاں عرشی نے غالب کے سلسلہ میں جو کام کیا ہے وہ معیار اور مقدار کے لحاظ سے خاصا اہم ہے۔ انھوں نے "دیوانِ غالب" کا نسخۂ عرشی مرتب کر کے غالب کو خراجِ تحسین پیش کیا۔ وہ بہت گراں مایہ ہے۔ غالب پر ان کی کتب "مکاتیبِ غالب"، "انتخابِ غالب"، "فرہنگِ غالب"، "دیوانِ غالب" ہیں۔ مولانا عرشی نے غالب پر متعدد مقالات لکھے ہیں جو ان کے تحقیقی مزاج و مذاق کو ظاہر کرتے ہیں۔ ان کے متعلق ڈاکٹر وحید قریشی لکھتے ہیں:

"عرشی صاحب نے متن کی تصحیح میں جو محنت اٹھائی ہے اس کے قابلِ قدر نمونے "مکاتیبِ غالب"، "سلک گوہر" اور "دستور الفصاحت" ہیں۔"(۱۹)

تحقیق کے دبستان لاہور کے علاوہ دبستان پٹنہ کا دبستان بھی اہم ہے۔ اس دبستان سے قاضی عبد الودود اور ڈاکٹر مختار الدین احمد کا تعلق تھا۔ قاضی عبد الودود کے ہاں تحقیق کا بڑا کڑا معیار پایا جاتا ہے۔ ان کے ہاں تحقیق تو ہے مگر حسنِ بیان سے نہ صرف محروم ہیں بلکہ حسنِ بیان کو ناپسند بھی کرتے ہیں۔ ان کے بارے میں ڈاکٹر نثار احمد فاروقی لکھتے ہیں:

"قاضی صاحب نے کوئی مربوط اور مستقل کام نہیں کیا۔ ترتیب و تدوین میں نمونہ بھی پیش کیا تو "قطعات دلدار" کا جس کی کوئی ادبی یا تاریخی اہمیت نہیں ہے۔"(۲۰)

قاضی عبد الودود نے میر، غالب، محمد حسین آزاد، مولوی عبد الحق اور شاد عظیم آبادی پر تحقیقی کام کیا۔ قاطع برہان پر بھی مدونہ کام کیا ہے۔ مختار الدین احمد عالم اور محقق ہیں۔ وہ عربی کے استاد تھے مگر اردو اور فارسی ادب بھی ان کے ذوق کا حصہ تھا۔ انھوں نے اردو ادب اور غالبیات پر خاصا تحقیقی کام کیا۔ ان کے تدوینی کاموں میں کربل کتھا کی تدوین شامل ہے۔ اس کے علاوہ "احوالِ غالب" اور "نقدِ غالب" کے نام سے کتابیں مرتب کیں۔

مالک رام اردو تحقیق میں ایک بڑا نام ہیں۔ انھوں نے غالب اور مولانا ابو الکلام آزاد پر اعلیٰ درجے کا کام کیا۔ ان کی مدونہ تحقیقی کتابیں "ذکرِ غالب"، "تلامذۂ غالب" اور بہت سارے تحقیقی مضامین ہیں۔ غالب پر ان کے تحقیقی کام کا جائزہ لیتے ہوئے گیان چند جین نے یہ نتیجہ اخذ کیا ہے اور لکھتے ہیں:

"کتنی ہی معروضیت کے ساتھ دیکھا جائے، مالک رام کو چوٹی کے ماہرین غالبیات میں جگہ دینی ہو گی۔ یہ مسلم ہے کہ غالب پر ان کی بعض کتابیں اور مضامین اعلیٰ معیار کے نہیں ہیں لیکن نگارشات بالیقین اس لائق ہیں کہ انھیں غالبیات کے منتخب کاموں میں ایک اعلیٰ معیار دینا ہو گا۔"(۲۱)

مالک رام کے تدوینی کاموں میں "غبارِ خاطر"، "تذکرہ"، "خطباتِ ابو الکلام"، "خطوط" شامل ہیں۔ مالک رام نے ان کتابوں کو ضروری حواشی اور تعلیقات کے ساتھ مرتب کیا۔ مالک رام کے تحقیقی کاموں کے سلسلے میں "تذکرہ

معاصرین" ان کے تحقیقی ذوق کا آئینہ دار ہے۔ ان کی کتاب تذکرۂ ماہ و سال بھی بہت اہم تحقیق ہے۔ پروفیسر رشید حسن خان کو کلاسیکی متون کی تدوین کا خاص ذوق تھا۔ انھوں نے "باغ و بہار"، "فسانۂ عجائب"، "سحر البیان"، "گلزارِ نسیم" وغیرہ جیسی کتابوں کو مدون کر کے شائع کیا۔ انھوں نے تدوینِ متن کا کام حواشی و تعلیقات اور مقدمے کا کام خاص سلیقے اور محنت سے کیا ہے۔ ان کے تحقیقی مضامین اور مقالات کے ذریعے ادب کے کئی گوشے واضح ہوئے ہیں۔ رشید حسن خاں ایک کھرے نقاد تھے۔ ان کے نزدیک کسی قسم کی رعایت یا خوش عقیدگی کی کوئی گنجائش نہیں۔ رشید حسن خان نے غالب پر بھی تحقیق کا کام کیا۔ "املائے غالب" اور "" "انشائے غالب"، "تحقیقِ غالب" تحقیق کی اہم کتابیں ہیں۔ رشید حسن خاں کی کتاب "اُردو املا" ایک جامع کتاب ہے۔ انھوں نے اردو کی املا پر لسانی حوالے سے بحث کی ہے اور روایت کے حوالے سے بھی۔ پروفیسر نذیر احمد کے تحقیقی کاموں میں "نقد قاطع برہان" بہت اہم ہے۔ وہ ایک بڑے مخطوطہ شناس اور ماہرِ غالبیات تھے جنھوں نے پوری تفصیل سے "دساتیر" کو جعلی کتاب ثابت کیا۔

پروفیسر نذیر احمد نے قدیم متون پر کام کیا انھوں نے "فرہنگ قواس" مرتب کیا۔ ان کے مقالات کے مجموعے یہ ہیں: "تحقیقی مقالات"، "تاریخی و ادبی مطالعے"، "تاریخی اور علمی مقالات"، "غالب آشفتہ"، "غالب پر چند تحقیقی مقالے"۔

> "پروفیسر نذیر احمد کی وفات کے بعد ان کے بعض مقالات ظفر احمد صدیقی نے "مقالات نذیر احمد" کے عنوان سے مرتب کر کے شائع کیے۔"(۲۲)

پروفیسر نذیر احمد اگرچہ فارسی کے زبان و ادبیات کے فاضل تھے لیکن ان کی تحقیقات کا دائرہ فارسی اور اردو دونوں زبانوں پر محیط ہے۔ پاکستانی محققین میں ڈاکٹر فرمان فتح پوری نے "اردو کی منظوم داستانیں" لکھ کر تحقیق کا دائرہ وسیع کیا۔ ان کا تذکروں پر کام بھی قابلِ قدر ہے۔ ڈاکٹر غلام مصطفی خاں اردو کے وہ محقق تھے جنھوں نے تصوف اور تحقیق پر یکساں معیار کا کام کیا۔ "ثقافتی اردو"، "قرآن و حدیث میں صنائع بدائع"، "اردو املا کی تاریخ"، "فن تحقیق" اور "تحقیق کے لوازم" یہ مضامین و مقالات تنقید و تحقیق میں شامل ہیں۔ گیان چند جین نے اردو ادب اور لسانیات پر بہت اہم کام کیا ہے۔ ان کی کتاب "ایک بھاشا دو لکھاوٹ"، جیسی تحقیقی کتاب لکھی۔

مجلسِ ترقی ادب کے محققین نے بہت سے قدیم متون مرتب کیے ہیں۔ خصوصاً ڈراما کے سلسلے میں بہت اچھا تدوینی کام سامنے آیا ہے۔ پروفیسر ابو الاعجاز حفیظ صدیقی نے "ادبی اصطلاحات کا تعارف" کے عنوان سے عمدہ تحقیقی کام کیا۔ ان کی کتاب "اوزانِ اقبال" بھی بہت اہم کتاب ہے۔ پنجاب یونیورسٹی کی طرف سے "تاریخِ ادبیاتِ مسلمانانِ پاکستان و ہند" کے نام سے کتابیں لکھی گئیں۔ ان میں اساتذہ کرام کے نوٹس شامل ہیں۔

اردو تحقیق میں اعظم گڑھ کا دبستان اپنی الگ شناخت رکھتا ہے۔ یہ دبستان دار المصنفین، اعظم گڑھ کے لوگوں

کا ہے۔ مولانا عبد الحئی لکھنوی ندوہ کے فاضل نہ تھے، استاد تھے۔ ان کی کتاب "گلِ رعنا" ادبی تحقیق کے سلسلے کی ایک کڑی ہے۔ لاہور میں غالب شناسوں میں مولانا غلام رسول مہر اور شیخ محمد اکرم کا نام اور کام بہت اہم ہے۔ شیخ اکرم نے "غالب نامہ" کے علاوہ شبلی پر بھی تحقیقی کام کیا اور "آبِ کوثر"، "رود کوثر" اور "مدحِ کوثر" کے ذریعے برصغیر کی تہذیبی تاریخ کو مرتب کر دیا۔

تحقیق کے سلسلہ میں مذکورہ بالا افراد کے علاوہ بہت سے اردو اور فارسی کے اساتذہ نے پی ایچ۔ڈی کے لیے تحقیقی مقالات لکھ کر تحقیق میں اپنا حصہ ڈالا۔

حوالہ جات

۱۔ احمد پرویز، لغات القرآن، لاہور: میزان پرنٹنگ پریس، ۱۹۶۰ء، ص: ۲۴۲

۲۔ سلطانہ بخش، ایم، ڈاکٹر، اردو میں اصولِ تحقیق، جلد اول، اسلام آباد: مقتدرہ قومی زبان، ۱۹۸۶ء، ص: ۲۷

۳۔ اعجاز راہی، روداد سیمینار۔ اصولِ تحقیق، اسلام آباد: مقتدرہ قومی زبان، ۱۹۸۶ء، ص: ۹۳

۴۔ اردو کی ایک قلمی بیاض، مشمولہ: اردو، اپریل ۱۹۵۴ء

۵۔ رشید حسن خان، ادبی تحقیق مسائل اور تجزیہ، لاہور: نیو ایج پبلشرز، ۱۹۹۸ء، ص: ۹۔۱۰

۶۔ محمد صادق، ڈاکٹر، آبِ حیات کی حمایت میں اور دوسرے مضامین، اسلام آباد: مقتدرہ قومی زبان، ۱۹۵۳ء، ص: ۹۲۸

۷۔ ایضاً، ص: ۳۹

۸۔ سلطانہ بخش، ایم، ڈاکٹر، اردو میں اصولِ تحقیق، ص: ۱۳۴

۹۔ عطش درانی، ڈاکٹر، لسانی و ادبی تحقیق و تدوین کے اصول، اسلام آباد: نیشنل بک فاؤنڈیشن، ۲۰۱۶ء، ص: ۱۵

۱۰۔ سلطانہ بخش، ایم، ڈاکٹر، اردو میں اصولِ تحقیق، ص: ۱۱

۱۱۔ ایضاً، ص: ۱۲

۱۲۔ امجد علی شاکر، تحقیق و تدوین، لاہور: عکس، ۲۰۱۸ء، ص: ۳۵

۱۳۔ محمد انصار اللہ، پروفیسر، جامع التذکرہ، نئی دہلی: قومی کونسل برائے فروغِ اردو زبان، ۲۰۰۶ء، ص: ۵

۱۴۔ گارسیں دتاسی، تاریخ ادبیاتِ اردو، مترجمہ: لیلیا سکیستن نازرو، کراچی: جامعہ کراچی، ۲۰۱۵ء، ص: ۶۸

۱۵۔ عبداللہ، سید، ڈاکٹر، فلیپ: مقالاتِ محمود شیرازی، مرتبہ: مظہر محمود شیرانی، لاہور: مجلسِ ترقی ادب، ۱۹۸۶ء

۱۶۔ مشفق خواجہ، دیباچہ: تحقیق نامہ، لاہور: مغربی پاکستان اردو اکیڈمی، ۱۹۹۱ء، ص: ۷

۱۷۔ وحید قریشی، ڈاکٹر، مقالاتِ تحقیق، لاہور: مغربی پاکستان اردو اکیڈمی، ۱۹۸۸ء، ص: ۳۳

۱۸۔ تحسین فراقی، ڈاکٹر، مقدمہ: مقالاتِ عبد الستار صدیقی، مرتبہ: ساجد نظامی صدیقی، لاہور: مجلسِ ترقی ادب، ۲۰۱۵ء، ص:۹

۱۹۔ وحید قریشی، ڈاکٹر، مقالاتِ تحقیق، ص:۱۲

۲۰۔ نثار احمد فاروقی، پروفیسر، اردو میں تحقیق کی روایت اور قاضی عبد الودود، مرتبہ: پروفیسر نذیر احمد، نئی دہلی: غالب انسٹی ٹیوٹ، ۱۹۹۱ء، ص:۱۶۸

۲۱۔ جین، گیان چند، غالب شناس مالک رام، کراچی: ادارہ یادگارِ غالب، ۲۰۰۲ء، ص:۱۵

۲۲۔ ظفر احمد صدیقی، مقدمہ: مقالاتِ نذیر، دہلی: عرشیہ پبلی کیشنز، ۲۰۱۲ء، ص:۳